Research Journal Ulum-e-Islamia
Journal Home Page: https://journals.iub.edu.pk/index.php/Ulum.e.Islamia/index
ISSN: 2073-5146(Print) ISSN: 2710-5393(Online)
E-Mail: muloomi@iub.edu.pk Vol.No: 30,Issue:01 .(January-July) 2023
Published by:Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur

ماقبل جدیدیت میں مغربی فکر و تہذیب

(ایک ناقدانہ جائزہ)

ڈاکٹر احمد
اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی رسول منڈی بہاؤالدین، ای میل
ایڈریس:drche313@gmail.com
کامران علی
ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی لاہور، ای میل
ایڈریس:kamranalisultani123@gmail.com

Muslim world is facing the challenges of modernity. Actually it is in Pre-modernism that isknown as a divine society. The Western people were also following the tradition, belief, religious orders and rituals in their Pre-modernism era.Before the modernity, the western epistemological view was also that knowledge derives from God Almighty. The revelation was the ultimate truth in that period. Interpretation of it was in hands of the Papacy. Due to the influence of the Muslim world, interest in the Science increased. Soon conflict between Theology and Humanism began. Philosophically the Renaissance and the Reformation were decisive rounds in the last centuries of Pre-Modernism.By the 1650s, Modernism began to replace Pre-Modernism, and remained the dominant philosophy in Western culture until the 1950s.Western thinkers tell that Pre-modernism, Modernism and Post-modernism are three periods of social evolution. Pre-modernism is also important because Western Civilization was born in the eighth or ninth century. The Classical heritage, Catholic and Protestant Christian traditions, Secularism, rule of law and constitution, social pluralism, reformed institutions and Rationalism are the main features of Western civilization. USA is now the central state of Western Civilization.Now, wherever the European nations are settling, they are in Western World, such as Australia and New Zealand.The European nations are the descendants of Japheth. They settled the Europe and Gog and Magog were also among them. Prophet Abrahamwas promised to be the supreme leader of the entire humanity by Allah. Westerners knew him during the Jewish diaspora and they became followers of him through Christianity. This religion trained and reformed the West. In thePre-Modernism, Anti-Semitism and Islam phobia started roots in the West.The establishment of political and social institutions of the West began in the pre-modern period. In this era, some important developments appeared. The Western short family system was formed, Western arts and manners developed, interest in regional and international politics increased.

Keywords: Abraham, Anti-Semitism, Catholic, Church, Gog and Magog, Islam phobia, Japheth, Jewish diaspora, Pluralism, Pre-modernism, Protestant, Reformation, Renaissance, Western Civilization.

ما قبل جدیدیت دور کا تعارف اور اہمیت

مغرب میں دور جدیدیت کو مرکزیت حاصل ہے۔ اسی لحاظ سے پہلے اور بعد کے زمانے کو دیکھا جاتا ہے۔ مشرق میں بھی جدیدیت برپا کرنے کی کوششیں عروج پر ہیں۔ مغرب میں جدیدیت نے ہر لحاظ سے تبدیلی پیدا کی تھی۔ مغرب مشرق سے سماجی ارتقاء کے لحاظ سے آگے سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کے مفکرین جدیدیت کے لحاظ سے تین ادوار بتاتے ہیں۔ ما قبل جدیدیت، جدیدیت اور مابعد جدیدیت ہیں۔ ان میں سے قبل جدیدیت کو ہم الہامی معاشرہ بھی کہہ سکتے ہیں جس کا علمی نظام سند، عقیدے، تقلید اور دینی اوامر ونواہی کی پیروی پر استوار تھا۔[1] ما قبل جدیدیت کا علمی نظریہ یہ ہے کہ مقتدر ذات کی طرف سے نازل کردہ وحی سے حاصل کردہ علم حتمی سچائی ہے۔ اس مقتدر ہستی کا وسیلہ چرچ ہے۔ وہ وحی کے علم کی تشریح کرتا ہے۔ اس دور میں فلسفیانہ طور پر نشاۃ ثانیہ اور اصلاح دین آخری اور فیصلہ کن راؤنڈ تھے۔ 1650ء کی دہائی کے پاس ما قبل جدیدیت غالب نظام کی حیثیت سے اپنا اثر کھونے لگی۔ جدید ذہنیت اس کی جگہ لینے لگی، یہ تقریباً تین سو سال مغربی کلچر میں غالب فلسفہ بنی رہی۔ 1950ء میں جدیدیت، مابعد جدیدیت میں تبدیل ہوئی۔ جدیدیت ابھی بھی امریکی کلچر میں غالب ہے۔

کلاسیکی ورثہ، کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مسیحی مسالک، یورپی السنہ، دین و دنیا یعنی کلیسا اور سیاست کی ثنویت، دستور و قانون کی حکمرانی، سماجی تکثیریت، بنیادی ادارے اور خرد پسندی مغربی تہذیب کی بنیادی خصوصیات ہیں۔[2] مغربی تہذیب نے آٹھویں یا نویں صدی میں جنم لیا۔ اب جہاں جہاں یورپی اقوام آباد ہیں وہ اس کے رکن ممالک ہیں، جیسے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ۔ انیسویں صدی میں امریکہ مغرب سے الگ تھا لیکن اب وہ مغربی تہذیب کی مرکزی ریاست ہے۔

بنی یافث کی یورپ میں آبادکاری

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلافت ارضی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ عزازیل نے اس فیصلے سے اپنا استحقاق مجروح پایا۔ اسے اپنے اعمال کا گھمنڈ اور نسلی تفاخر تھا۔ وہ مہلت کا وعدہ لے کر شیطان کے روپ میں سامنے آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اخروی ناکامی کی وعید سنائی، اور وہ راندہ درگاہ کر دیا گیا۔ زمین پر اسے حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی اولاد میں ہی اپنا ہمنوا مل گیا، اپنے بھائی کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کا قتل قرار دیا۔ گویا معیاری نیابت کے لیے محض ذریت کی شرط نہ تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد انسانوں کی اکثریت شیطان کے ساتھ مل گئی تو حضرت نوح علیہ السلام طاغوت کے آگے سینہ سپر ہوئے۔ جب پانی سر سے گذرنے لگا تو آپؑ بحکم الٰہی کشتی میں سوار ہو کر نئی منازل کی کھوج میں چل پڑے، اور انسانیت کو دجالِ اکبر اور اس کی تہذیب کے فتنے سے ڈرانا شروع کر دیا۔ آپؑ کے نجات یافتہ بچوں حام، سام اور یافث کی اولاد خوب پھلی پھولی، جن میں سے شیطان کو اپنے کارندے درکار تھے۔

بنی یافث کو یورپ کے حقیقی آبادکار فرض کیا گیا ہے۔ یاجوج ماجوج ان میں سے ہیں۔ اب عموماً ہندوستان اور یورپ کے باشندے بنی یافث ہیں۔ بنی سام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ کی نسل میں انبیاءؑ کی پے در پے بعثت ہوئی۔ بنی یافث سامیت دشمنی کرتے کرتے طاغوتی کیمپ میں چلے گئے۔ حضرت یافث کے سات بیٹے تھے۔ ان میں سے ماجوج بن یافث اور اس کے بھتیجے اشکناز بن

---

(1) Charles Jencks, Critical Modernism, Where is Post-modernism going? Wiley Academy, Sussex England(110).

(2) Huntington, William P. The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order, Touchstone, New York, 1997(68- 72).

جمر بھی ہیں۔ بحکم الٰہی حضرت حزقی ایلؑ نے بابل کی اسیری میں ماجوج نژاد فرمانرواجوج کے خلاف نبوت کی۔ بنی جمر اسی لشکرِ تمام میں شامل تھے۔[3] مغربی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو آج کے برطانوی جزائر کے لوگ جمر، یاوان اور ماجوج کی نسل کے ہیں۔ ان میں سے سکاٹ لینڈ والے بنی ماجوج ہیں۔ آئرلینڈ کی سیلٹ قوم کے لوگ بنی ماجوج کہلانا پسند کرتے ہیں، جن کے اس دعوے کے حق میں آثار قدیمہ اور علم الانساب گواہی دیتے ہیں۔[4] ان کا شجرہ نسب ماجوج بن یافث تک جا پہنچتا ہے۔[5]

آسٹریلیا کے شہر میلبورن کی طرح لندن کے گلڈ ہال میں یاجوج ماجوج کے دو چوبی مجسمے نصب کیے گئے ہیں۔ یہ 1666ء میں عظیم آگ کی نظر ہوئے، اور پھر جرمنی کے فضائی حملے میں تباہ ہوئے۔ 1953ء میں تیسری بار انہیں بنا کر نصب کیا گیا۔[6] ٹرائے کا قدیم شہر گوگ میگوگ پائیں میں واقع تھا۔ گوگ میگوگ خطے کے نام کا ابتدائی ذکر 1574ء کے ایک حکمنامے میں ہے۔ اس میں کیمبرج کے طلباء کو گوگ میگوگ پہاڑیوں پر جانے سے منع کیا گیا تھا۔[7] ماضی قریب میں میگوگ ٹرسٹ کی سالانہ جنرل میٹنگ ہفتہ 12 اکتوبر 2019 کو جانسن ہال، گوگ میگوگ وے، اسٹیپلفورڈ کیمبرج شائر میں منعقد ہوئی۔[8]

حضرت ابراہیمؑ کی عالمی امامت کی ابتدائی وراثت

مغربی تہذیب بنی حام کے نمرود اور سامی نژاد عاد وثمود کے نقشِ قدم پر گامزن ہے، جن کے آثار قدیمہ آج بھی نشان عبرت ہیں۔ انہوں نے طاغوتیمشترکہ کاوشوں سے ترقی یافتہ ٹیکنالوجی اور تخلیقی سائنس پر عبور حاصل کیا۔ وہ ان ذرائع سے آفاقی تہذیبوں کی حامل عالمی طاقت بننے کے خواہاں تھے۔ گویا انہوں نے خلافت ارضی کا متبادل تلاش کر لیا تھا۔ طاغوتی فکر کو آدم ثانیؑ کی اولاد میں اپنی تہذیب کی ترویج درکار تھی۔ اس کے انسداد کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ یکسوئی سے دوستی نبھانے پر آپؑ اللہ کے خلیل ٹھہرے، اور امامت پر فائز کیے گئے۔ شیطان کا حدف آپؑ کی بابرکت اولاد تھی۔ آپ کی اولاد کی ایک شاخ میں لگاتار انبیاءؑ مبعوث کیے جاتے رہے۔ دوسری شاخ نے آپ کے پہلوٹھے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد فترتِ نبوت دیکھی۔ اسی وجہ سے وہ بنی یافث کی طرح بتوں کی پجاری بن گئی۔

مشرق میں یاد رکھا گیا کہ نویں صدی ق م میں آریائی نسل کی ایک شاخ جنوبی روس سے چلی تھی۔ یہ قوم مغربی ایران کے سلسلے کوہ زاغروس کے وسطی علاقے میڈیا میں آباد ہوئی۔ اس جغرافیائی نسبت سے یہ لوگ ماد کہلائے۔ اسی نسل کی ایک شاخ مشرقی ایران میں

---

(3) پیدائش:10: 2-5؛ 1۔ تواریخ،1: 5-7؛ حزقی ایل:38: 6

"حضرت یافث کے سات بیٹوں میں سے جمر سے گال، ماجوج سے سکیتھن اور گاتھ، مدائی سے میڈیس، یاون سے یونانی، توبل سے آئیبریائی، ہسپانوی اور اطالوی جبکہ مشیش سے کیپاڈوکے نام سے اقوام بنیں۔ ان چچا بھتیجا ماجوج اور اشکناز کی نسلیں تاریخی طور پر حلیف رہی ہیں اور مل کر اسکیتھائی لشکر بناتی رہی ہیں۔" (The Early History of Man, (4/1,72).

(4) Tim Osterholm, Table of Nations, Fast Approaching, Author House, Bloomington, Indiana, USA, 2009 (97, 177).

(5) Cusack, M. F.The Illustrated History of Ireland, Bracken Books, London, 1987(84).

(6) Gog and Magog, Religion and Mythology, Encyclopaedia Britannica,Retrieved: Oct 10, 2019 from https://www.britannica.com

(7) Clark, W. Once Around Wandlebury, Cambridge Preservation Society, 1985(4).

"پہاڑیوں کے ارد گرد بے ترتیب کھدائی سے کولے ہل اور چیری ہنٹن میں فولادی دور کی دفاعی باقیات کا انکشاف ہوا ہے۔"

Pattison, P. and Oswald, A. WandleburyHillfortCambridgeshire, Royal Commission on the Historical Monuments of England, Archaeological Field Survey Report, 1995(12).

(8) www.magogtrust.org.uk، گوگ میگوگ نامی ویب سائٹ ہے۔ یہ نسبت مہذب ترین قوم کے اعلیٰ ترین اس ٹرسٹ کے زیرِ انتظام گوگ میگوگ کلب ہے اور اس کی ترجمان عالمی تعلیمی مرکز کیمبرج کو حاصل ہے۔

آباد ہوئی۔ یہ لوگ صوبہ کرمان سے ہوتے ہوئے پارس (فارس) آئے اور پارسی کہلائے۔ آرمینیا کے شمال میں بلند و بالا سلسلہ ہائے کوہستان کے باسیوں نے مہذبانہ اطوار نہ اپنائے۔ ایسی وحشی اور اڑیل اقوام معرب ہو کے یاجوج ماجوج کہلائیں۔[9]

مشرقِ وسطیٰ میں اشوریائی شہنشاہ سارگون دوم (م705ق م) نے سلطنت کو وسعت دی۔ اس نے 722ق م میں اسرائیل کا خاتمہ کیا اور (دس گمشدہ قبائل) کی بیشتر آبادی کو ملک بدر کر دیا۔ اس نے باقی دو قبائل کی ریاست یہوداہ، کو باقی رکھا۔ بعد میں سامی کلدانیوں کے بادشاہ نبوکدرضر (م562ق م) نے 586ق م میں یروشلم پر قبضہ کیا۔ اس نے ہیکل کو تباہ کیا اور یہودیہ کی آبادی کو بابل منتقل کر دیا۔ بابل کی قید کے دوران ہونے والی یہودیت کی تشکیل کی نئی پیشرفت دیرپا ثابت ہوئی۔[10]

پہلی اسیری کے دوران بنی اسرائیل بابل کی نواحی تل ابیب نامی بستی میں تھے۔ تب حضرت دانی ایلؑ نے مکاشفانہ خواب میں دو سینگھوں والے مینڈھے یعنی میڈیا اور فارس کے بادشاہت کی ابتداء کی پیشینگوئی فرمائی۔[11] فارسی دارالحکومت اصطخر کے کھنڈرات میں سے سائرس اعظم (م530ق م) کی ایک سنگی تمثیل دستیاب ہوئی ہے۔ اس کے سر پر دو مینڈھے کے سینگ ہیں۔ اس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینا ایک مقبول تخیل تھا اور یقیناً اسے ذوالقرنین کہہ کے بلایا جاتا تھا۔[12]

پہلے فارسی شہنشاہ سائرس اعظم نے 539ق م میں اچانک میسوپوٹیمیا پر حملہ کر دیا۔ اس نے بغیر لڑے بابل لے لیا، عبرانیوں کو رہا کیا اور انہیں سیکنڈ ٹیمپل کی تعمیر کے لیے واپس یروشلم بھیجا۔ اس نے انہیں ایک نیم آزاد ریاست قائم کرنے کی اجازت دی۔ فارس کی سیاسی اور ثقافتی کامیابیوں کے پیچھے زرتشت کی محنت کارفرما تھی، جس نے 600ق م میں انہیں رسومات، شرک اور جادو سے پہلو تہی کر کے مذہب کو اخلاقی طرزِ عمل کے طور پر اپنانے کا درس دیا تھا۔[13]

حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی وراثت اسرائیلی انبیاءؑ اور ان کے پیروکاروں میں چلتی رہی۔ یہود اسے نسلی قرار دے کر انبیاءؑ کی تضحیک اور قتل کے درپے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں نبوت کا منصب جاری نہ رکھا۔ ان کے آخری انبیاؑ میں سے حضرت ملاکیؑ نے یہود کو آئین شکنی اور انکار سے رجوع کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنے نبی کی بات کو سنجیدہ نہ لیا۔ حضرت مسیحؑ ان میں مبعوث فرمائے گئے۔ اب انہیں بتایا گیا کہ عطاء کردہ خلافت کی تبدیلی کا وقت آ گیا ہے۔ اب ایسی قوم کی باری آنے کو ہے جو اسے ثمر آور کرے گی۔[14]

ابراہیمی امامت کے دائرے کا بنی یافث تک پھیلاؤ

مغربی تہذیب کی بنیاد مسیحیت ہے، جو مشرقِ وسطیٰ سے آئی ہے۔ یہاں سے یہودیت اور مسیحیت دوسری اور تیسری صدی عیسوی میں مستحکم ہو کر پھیل رہی تھیں۔ حضرت مسیحؑ کے بعد مسیحیوں نے صعوبتیں برداشت کیں۔ سینٹ پال نے غیر یہودی اقوام تک دین پہنچانے کے لیے سفر کیے۔ اس نے ابتدائی مسیحی تعلیمات میں تبدیلیاں کیں تو پہلی صدی عیسوی میں رہبانیت کا کلیسائی نظام قائم ہوا۔

---

(9) رانا، محمد اکرم، ڈاکٹر، بین الاقوامی مذاہب، پورب اکادمی، اسلام آباد، 2009ء(94)

(10) Jon Durbin, Western Civilizations Their History & Their Culture, W. W. Norton & Company, New York, 2011(1/59,70).

(11) دانی ایل: 8 :3، 20

(12) مولانا آزاد کے فہمِ نص کی شہادت مغرب بھی دیتا ہے۔ یہودیوں نے مشرکین مکہ کے ذریعے آپ ﷺ سے اپنے نجات دہندہ کے بارے میں سوال کرایا تھا۔ قرآن کریم میں بتایا گیا کہ اس عادل حکمران نے یاجوج ماجوج کو مہذب دنیا سے الگ تھلگ کرنے کے لیے دیوار تعمیر کی جسے ایک مقررہ وقت پر ٹوٹنا تھا۔ عصر حاضر کے صہیونی تھرڈ ٹیمپل کی راہ ہموار کرنے میں کوشاں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کو بطورِ محسن سائرس ثانی کہتے ہیں۔ (آزاد، ابوالکلام احمد، تفسیر ترجمان القرآن، اسلامی اکادمی لاہور، 1976ء(401)۔

(13) Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, 2011 (1, 62, 66).

(14) ملاکی 3 :7 متی کی انجیل: 21: 43

شہنشاہ قسطنطین (م 337ء) نے 324ء میں بزنطیم کی بستی میں اپنے نام پر قسطنطنیہ دار الحکومت تعمیر کیا۔ یہ بحیرہ اسود کے دھانے پر پانی میں چاروں طرف سے گھرا ہوا تھا۔ اسے دیواروں کے ذریعے دفاعی طور پر مزید مضبوط کیا گیا۔ یہ عثمانی ترکوں کی فتح تک سلطنت رومی سلطنت کا سیاسی، تجارتی، مواصلاتی اور معاشی مرکز رہا۔[15]

حضرت ابراہیمؑ کی امامت تمام انسانوں نے مانتا تھی۔ رومی بادشاہ نے چوتھی صدی کے شروع میں مسیحیت قبول کی، تو اسے اپنے دور کی عالمی طاقت کا سرکاری دین بنا دیا۔ اس کے پاس کافر اور مسیحی دونوں طرح کے درباری تھے۔ وہ دینی بات کرنے میں محتاط تھا۔ اس کے جانشین عقائد کی برداشت کی طرف کم مائل تھے۔ اس کا اپنا بھتیجا جولین مسیحیت سے مرتد ہو گیا تھا۔

چوتھی صدی کے آخر تک مسیحیت کی ترقی میں جیروم، ایمبروز اور آگسٹائن نے کلیدی کردار اداء کیا۔ سینٹ آگسٹائن (354ء تا 430ء) پہلے آرچ بشپ آف کنٹربری بنائے گئے۔ وہ مانویتسے نوفلاطونیت کی طرف آئے تھے۔ مسیحی بننے کے بعد آپ نے فلسفیانہ انداز سے الٰہیات کو سمجھنے کی کوشش کی۔ تب جیروم کہہ اٹھے کہ آپ نے قدیم مسیحی عقیدے میں جان ڈال دی ہے۔[16] آپ نے مسیحی فضل سے گناہ سے انسان کی آزادی اور جنگِ عدل کا نظریہ پیش کیا۔ آپ نے مغربی رومی سلطنت کا خاتمہ قریب دیکھ لیا تھا۔ آپ اسی لیے مسیحی کلیسا کو شہر خداوندی کہنے لگے۔

پوپ گریگوری اول (م 604ء) نے برطانوی قبائل کی تبدیلیِ دین کے لیے 597ء میں چالیس راہب کینٹ کی جنوب مشرقی سلطنت بھیجے۔ ان کی فرانک مترجموں نے مدد کی۔ مسیحی خواتین اشاعتِ دین میں سرگرم رہی ہیں۔ ایک مسیحی فرانک شہزادی نے شاہی خاندان میں اثر ورسوخ حاصل کیا اور برطانیہ میں تبلیغ میں مدد دی۔ اسی طرح 957ء میں کیف کی ایک مسیحی شہزادی کو قسطنطنیہ کا سرکاری دورہ کرایا گیا۔ شہنشاہ باسل دوم نے کیف کے شہزادے ولادیمیر کی خانہ جنگی میں مدد کی۔ پھر اس کی شادی اپنی بہن سے کر دی تو اس نے ساتھیوں سمیت 988ء میں آرتھوڈوکس چرچ میں بپتسمہ لیا۔ یوں روس میں مسیحیت پھیل گئی۔[17]

حضرت مسیحؑ کی بشارت کے مطابق حضرت محمد ﷺ آخری نبی بن کر تمام انسانیت میں مساوات کا درس لے کر آئے۔ پہلی صدی ہجری میں ہی فرانس کے ذریعے اسلام کی کرنیں یورپ کو منور کرنے کو تھیں کہ چارلس مارٹن (م 741ء) نے 732ء میں ٹورس کے مقام پر مسلمانوں کا رستہ روک دیا۔[18] چارلس کو اس فتح سے بہت وقار ملا۔ اس نے بینیڈکٹائن مشنری سے برطانیہ میں اتحاد کر لیا۔ یہ گروہ وسطی جرمنی اور ملحقہ زیریں ممالک میں مسیحیت میں تبدیلی کے لیے کوشاں تھا۔ سیکنڈے نیویا اور بالٹک کے ساحلی علاقے گیارہویں سے تیرہویں صدی میں مسیحیت کی طرف مائل ہوئے۔[19]

ماقبل جدیدیت میں مغربی سیاسی وسماجی ادارے

---

(15) Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, (194).

(16) *TeSelle, Eugene Augustine the Theologian, Wipf and Stock Publishers, Eugene, Oregon, 2002 (343).*

(17) Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, (228, 234, 260).

(18) چارلس مارٹن (715ء تا 741ء) کے پستہ قامت بیٹے پیپن (741ء تا 768ء) نے لمبرڈز سے اٹلی کو آزاد کر کے مسیحی پوپ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد 768ء تا 814ء شارلیمان (Charlemagne) نے فتوحات سے عارضی طور پر یورپ میں مسیحی یورپی یونین کی بنیاد رکھی۔ اس کی پاپائے اعظم نے 800ء میں شہنشاہ کی حیثیت سے تاجپوشی کی۔ (تاریخ وتہذیب عالم ازاے۔ مانفرید، ص 166)۔

(19) سویڈن اور ناروے کے باشندے نارمن کہلاتے تھے۔ وہ اپنی گذر اوقات کے لیے بحری قزاق بن گئے۔ ان میں سے ایک سردار رولو کو ناروے کے بادشاہ نے دیس نکالا دیا۔ یہ نارمنڈی کے ساحل پر اترا۔ شاہ فرانس نے نارمنڈی کا صوبہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس کی نسل سے ولیم فاتح نامی جنگجو نے برطانیہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کی اولاد موجودہ شاہی خاندان کے طور پر تاجِ برطانیہ کی مالک ہے۔

جرمن باغیوں کے ساتھ خانہ جنگی کے بعد اوٹو اول (م973ء) نے 955ء میں کافر ہنگری کو شکست دی۔ اسے مسیحی نجات دہندہ کے لقب سے شہرت ملی۔ اس نے اٹلی کی بیوہ ملکہ ایڈیلیڈ (م999ء) کے دشمنوں کو شکست دی، اس سے شادی کی، اور یوں اٹلی کی بادشاہی حاصل کرلی۔ سلطنت کی وسعت سے اس کی پوپ کے ہاتھوں تاجپوشی کی گئی۔ اس نے جرمنی کے امورِ مملکت کو اٹلی اور کلیسا سے منسلک کر دیا۔ یوں مغربی مقدس رومی ایمپائر کا احیاء ہوا۔ تب سے شہنشاہیت اعلیٰ سیاسی ادارہ کہلایا۔

یورپ میں قرون وسطیٰ میں بادشاہت وراثتاً چلتی تھی۔ شاہ کی سرپرستی میں جاگیر دارانہ نظام رائج تھا۔ بادشاہ زمین کے بڑے بڑے علاقے شرفاء میں بانٹ دیتا تھا۔ وہ اس سے وفاداری نبھاتے اور بوقت ضرورت سپاہی مہیا کرتے تھے۔ ان کے ماتحت لارڈز اور نائٹ ہوتے تھے۔ وہ بادشاہ کے لیے فوج تیار رکھتے تھے یا ٹیکس دیتے تھے۔ لارڈز کسانوں، فصلوں اور گاؤں کے مالک ہوتے تھے۔ اسی طرح بیشتر علاقوں میں کیتھولک چرچ نے بشپ کو طاقتور بنا دیا تھا جو وصولیاں کر کے امیر ہو گئے تھے۔[20] ابتدائی یورپ میں قبیلے کے قدیم حقوق کی نمائندگی جاگیر دار کرتے تھے۔ وہ دولہا کو شادی کی اجازت دینے سے پہلے کبھی کبھار دلہن کی عصمت دری بھی کرتے تھے۔ آدم خوری اور نسلی تعصب کی جگہ یہ بھی اخلاقی بہتری سمجھی گئی کہ لوگ انسانوں کو جان سے مارنے یا کھانے سے باز آگئے، اور انہیں محض غلام بنالیا۔[21]

بادشاہت، جاگیر داری اور پاپائیت کی اس ظالمانہ تکون سے عوام تنگ آگئے تھے۔ دیندار وں کی دو عملی سے فائدہ اٹھا کر یہودیوں نے مسلم دنیا سے روابط قائم کئے۔ یوں انہوں نے معاشی سرگرمیوں پر اجارہ داری حاصل کرلی تھی۔ وہ سود بھی کھاتے تھے، جبکہ مسیحی علماء اس کی مذمت کرتے تھے۔ جرمنی میں اصلاح پسندوں نے پاپائی نظام اور اس کے مادی مطالبوں کے خلاف احتجاج کیا۔ انہوں نے کلیسا کو غیر دینی حکومت کے ماتحت ہونے کی مانگ رکھی۔ عوام نے ظالمانہ جاگیر دارانہ سماج کی کمزوری چاہی۔ کلیسا اسے خدائی انصاف کے نام پر تھوپے ہوئے تھا۔

ماقبل جدیدیت میں مغربی فنون و آداب

چودہویں صدی میں طاعون کی سیاہ موت آئی۔ اس بحران سے اطالویوں کے سامنے رومی سلطنت کی کارکردگی بے نقاب ہوگئی۔ تب دانشوروں، فنکاروں اور سیاست دانوں نے روم کے انسان پرست جمہوری اصولوں کو زندہ کرنے یا قدیم یونان کے آمرانہ استبداد کے ذریعے اپنی عظمتِ رفتہ کی بحالی کا سوچا۔ اٹلی کی متحارب شہری ریاستوں کی مقابلے کی فضا میں فنکاری خوب پروان چڑھی۔ اس سے پہلے دولت مند گھرانوں میں ان کی حیثیت نوکروں سے بھی کم ہوتی تھی۔ قرون وسطیٰ میں آرٹ اور ادب کے عظیم تخلیقی کام ہوئے جن میں سے زیادہ تر چرچ کے متعلق تھے۔[22] آرٹ اور سیاست کی قدیم رومی سلطنت کی میراث بھی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد ہے۔

ویٹی کن میں ارسطو وغیرہ کے پورٹریٹ اور آیا صوفیہ میں یسوع مسیح کی دیوہیکل تصویر رومی فن کا شاہکار ہیں۔ نشاۃ ثانیہ کے فنکاروں کی تکنیک فنون لطیفہ کے طریقوں میں ڈھل گئی، جس سے فن پاروں کی طلب اور فن کی باوقار سرپرستی کے مواقع بڑھ گئے۔ کرسٹین ڈی پیزن (1365ء تا 1434ء) مغرب کے پہلے پیشہ ور ادیبوں میں سے ایک تھیں۔ ان کی کتب کا مقصد نسل در نسل بدانتظامی کے مقابلے

---

(20) Marc Bloch, Feudal Society, Trans: Manyon, Routledge&Keagn Paul, London, 1965 (11).
(21) Will Durant, The story of Civilization, Our Oriental Heritage, Simon & Schuster, New York, 1942 (20, 38).
(22) فنی تاریخ کی ذیلی تقسیم میں ابتدائی مسیحی، بازنطینی، کیرولنگین، اوٹوئن، رومانسک اور گوتھک اہم ہیں۔

پر خواتین کو معزز مقام پر لاناتھا۔اس کی 1410ء میں سو سالہ جنگ کے عروج میں لکھی جانے والی کتاب فوجی حکمت عملی اور طرز عمل کا دستور بھی ہے۔[23]

قرون وسطیٰ کے نثری ادب کی ایک اہم مثال ایک بادشاہ کا اپنی معشوقہ کو خط ہے۔اس پر فریب عشق نامے میں رقم ہے کہ اس عورت کی وجہ سے بادشاہ کا دل درد میں ڈوب گیا اور پورا جسم کانپ اٹھا ہے۔اس سے پیار کرنے کے علاوہ اسے کوئی چارہ نہیں ہے، حالانکہ وہ خاوند والی ہے۔وہ چاہتا ہے کہ وہ دونوں سے وفا،اعتماد اور پیار کرے۔[24] دل لبھانے کی باتوں کا انجام فطری طور پر برا تھا۔بالآخر بادشاہ کی معشوقہ نے سازش سے اپنے خاوند کو قتل کرادیا۔یہ معاملہ بے نقاب ہو کر زبان زدعام ہوا۔

ماقبل جدیدیت میں نو مسیحی مغرب کی تربیت واصلاح

مسیحیت نے یورپ کو درندگی،بت پرستی اور وحشیانہ طرز سے نجات دلائی تھی۔سکنڈے نیویا میں شاہی احکام سے تبدیلی مذہب ہوئی لیکن دیہی آبادی پر اس کا بہت کم اثر پڑا۔فن لینڈ میں ابھی ریاستی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی،اسی لیے دینی تبدیلی سویڈن کی تیرہویں اور چودھویں صدی کے فوجی قبضے کے بعد ہی ممکن ہوئی۔[25] تمام مردوں کو بپتسمہ دے کر مسیحی بنایا گیا۔انہیں گھوڑے کا گوشت کھانے اور والدین کو شیر خوار بچوں کی خفیہ قربانی دینے کی اجازت تھی۔فرانس کی اشرافیہ نے قابل قدر حد تک از خود مسیحیت اختیار کی۔[26]

کلونی خانقاہ کی تشکیل ہوئی تو 909ء میں سب سے پہلے خانقاہی اداروں نے قدامت پسند اصلاحی تحریک شروع کی۔یہ تین صدیوں تک جاری رہی۔اس سے گیارہویں صدی میں چرچ کی اصلاحات میں مدد ملی۔جامعات میں اصلاحی جذبے سے پنپنے والا انسان دوست رجحان مدرسی متکلمین کا مخالفانہ کردار ادا کرتا رہا۔کیتھیڈرل کیمونٹیز اور بشپس کی رہائش گاہیں سیاست،انتظامیہ اور تعلیم کے مراکز تھیں۔یہ انسان دوست تحریک کی افزائش کر رہی تھیں۔خواتین کو بڑی حد تک انسان دوست تعلیم سے روک دیا گیا تھا۔اس کی وجہ سے مرد،خدا کی قربت پر فخر کرتے تھے۔رومی سلطنت نے خالص زبان میں واپسی پر اصرار کیا۔اس سے ناپید لاطینی زبان،مواصلاتی زبان بن گئی۔نشاۃ ثانیہ شمالی اٹلی سے شروع ہوئی لیکن یہ وہاں فروغ نہ پاسکی۔برطانیہ میں انجیل کی پہلی تبلیغ کے بعد جنگوں اور ظلم وستم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔یوں ابتدائی دور میں مسیحیت کے ریکارڈ نہ بچ سکے۔[27]

انگلینڈ میں تیرہویں صدی میں چھوٹے کلیسائی حلقوں کے پادری جلائے گئے۔انہوں نے عشائے ربانی کے علامتی جام میں امتیاز برتا تھا۔[28] مسیحی گرجاگھر سیکس کاؤنٹی کے خطے میں تعمیر ہونے لگے۔اس سے خدا کے لئے تقدس کے نقارے گونجنے لگے۔انہیں بتوں کے

---

(23) Willard, Charity Cannon (ed.), The Book of the Deeds of Arms and of Chivalry, trans. Sumner Willard, University Park, PA.1999 (11, 13).

(24) Equitan in The Lais of Marie de France, trans: Glyn S. Burgess and Keith Busby, Harmondsworth, 1985 (56).

(25) Christiansen, Eric, The Northern Crusades, the Baltic and the Catholic Frontier, 1100-1525, University of Minnesota Press, Minneapolis,1980, (109-17, 130).

(26) James, Edward, The Franks. Basil Blackwell Ltd. Oxford, 1988(139).

(27) Churton, E.The Early English Church. London. 1841(3).

(28) Humphreys S. C. and Helen King(eds.), Mortality and Immortality: the Anthropology and Archaeology of Death, Academic Press London (119).

مندروں سے کہیں زیادہ اعزاز حاصل ہوا۔[29] مشرک پروہت اب مسیحی فادر بن گیا تھا۔ بائبلی عہد میں روحانی باپ عہد نامہ قدیم و جدید لکھتے تھے۔ بعد میں الہامی کتب میں وحی کی تفسیر کے کیتھولک مصنف پوپ بنے۔

ما قبل جدیدیت میں سائنسی رغبت کی لہریں

مغرب میں کسی بھی معاملے میں صحیفہ کی ترجمانی رومی اتھارٹی کے پاس رہی ہے۔ کیتھولک ماہرینِ الٰہیات کے مطابق بائبل کا ہر ایک لفظ، عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔[30] سائنس سے پہلو تہی اور دینی طبقے کی لفظی تعبیر پر اصرار کے باوجود توسیعی تفسیر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ مسیحی ماہرین فلکیات نے پابندیوں کی وجہ سے توسیعی جواز پیش کرنے کی پوری کوشش کی۔ وہ کوپرنیکن ماڈل کی تعریف بھی کرنے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ کوپرنیکن ازم پر پابندی کا نفاذ کم سے کم ہوتا گیا۔[31] ابتداءً چند منتخب افراد کے قلوب میں ہی سائنسی رغبت راسخ ہوئی۔ انہوں نے نص اور فہمِ نص میں فرق کی ضرورت محسوس کر لی تھی۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ صحائف میں مضحکہ خیز باتیں مصنف کی غلطی نہیں ہیں۔ مرتب نے مخطوطات کی نقل، تعبیر یا فہم میں غلطی کی ہے۔ وہ باپ دادا کے کلام اور بعد کے کاموں میں محتاط فرق کرنے لگے۔[32]

1377ء میں نکولوڈی اوریسمے (م1382ء) نے ارسطو کے نظریے پر تنقید کی۔ معلمِ اول نے زمین کی حالتِ سکون کے دلائل تھے۔ اب دلیل دی گئی کہ کلام پاک میں زمین کو غیر متحرک بتایا گیا ہے۔ یہ عام انسانوں کی سمجھ کے لیے سادگی سے بیان ہے۔[33] عہد نامہ قدیم میں آسمان پر سورج کی حرکت اور زمین کے ٹھہراؤ کا ذکر ہے۔ 1590ء کی دہائی میں بااثر یسوعی بائبلی علمائے کرام صحیفہ کی تحریروں کی لفظی تفسیر پر متفق تھے۔ بصورت دیگر مذہب خطرے میں پڑ جاتا تھا۔[34]

اطالوی ماہر فلکیات گیلیلیو گلیلی (م1642ء) نے عمدہ طریقے سے حل پیش کیا۔ اس نے زور دیا کہ دانشمند مذہبی ماہرین قارئین کو فطرت سے متعلق موضوعات پر محتاط بیان دیں۔ انہیں کلام پاک کی مباح توضیحات کو ہرگز واجب نہیں کرنا چاہئے۔ مبادا، بعد میں ممکنہ قدرتی وجوہ کی بنا پر یہ غلط ثابت ہو جائیں۔[35] گلیلیو کو اس گستاخی کی سزا میں زند جلا دیا گیا۔

تاریک دور میں خانقاہیں دولت اور تربیت کی اہم مراکز تھیں۔ تب راہبوں اور پادریوں کے علاوہ کوئی بھی شخص خواندہ نہ تھا۔ اس عرصے میں بڑے پیمانے پر عمارات کی تجدید ہوئی، اور بڑے شہروں کا از سرِ نو قیام دیکھنے میں آیا۔ سائنسی انقلاب کا آغاز ہوا۔ اب مشاہدے، کائنات اور اس میں انسان کا مقام بڑھ گیا۔ اس بلندی نے دینی عقیدے کی جگہ لے لی۔ آسمان کے قدیم یونانی ماڈل کی تفہیم کوپرنیکس (م1543ء) نے ختم کی۔ اس نے مغرب کو بتایا کہ سورج نظام شمسی کا مرکز ہے۔ سیارے اس کے ارد گرد دائروں میں گھوم

---

(29) Lyon H. R. and John Percival (eds. and trans.), Documents on Carolingian Government, New York, 1975(31).

(30) Coyne, George V and UgoBaldini, The Louvain Lectures of Bellarmine,Vatican Observatory Publications, Vatican City, 1984(40).

(31) McMullin,The Church and Galileo, University of Notre Dame Press, Notre Dame, 2005(278).

(32) Peter Abelard, prologue to the Sic et Non, trans. James Harvey Robinson in Readings in European History, 2 vols. (Boston, MA: 1904)., vol. 1(450).

(33) Marshall Clagett (ed.), The Science of Mechanics in the Middle Ages, University of Wisconsin Press, Madison, 1959(600-606).

(34) ErnanMcMullin (ed.), The Church and Galileo, University of Notre Dame Press, NotreDame, 2005, (38).

(35) ErnanMcMullin, The Church's Ban on Copernicanism, University of Notre Dame Press, Notre Dame IN, 2005(150).

رہے ہیں۔ اس بات کا عملی مشاہدہ بعد میں کیا گیا۔ سترہویں صدی کے آغاز میں جوہانس کیپلر (م1630ء) نے یہ نظریہ درست کیا۔ اس نے بتایا کہ سیاروں کے مدار بیضوی ہیں۔ ان کی مدار میں رفتار، سورج سے مسافت کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔

ما قبل جدیدیت میں دین وسیاست کا تعلق

شہنشاہ روم اور پوپ کی چپقلش ہوئی۔ اس وجہ سے 1054ء میں مشرقی آرتھوڈوکس اور مغربی کیتھولک چرچ الگ ہوگئے تھے۔ بعد میں کیتھولک کی مغربی تہذیب کے اندر بھی دین وسیاست کے تعلق میں بداعتمادی آئے روز بڑھتی گئی۔ نومنتخب شہنشاہ فریڈرک بار باروسا (1152ء تا1190ء) نے جرمن بادشاہت کی طاقت کو بحال کرنا چاہا۔ اس نے پوپ کے کنٹرول سے آزادی کے لیے اپنی سلطنت کو ہولی رومن ایمپائر کہلانا شروع کیا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ تقدس خدا کی نعمت سے ہوا ہے۔ اسے اب کسی پر انحصار کی ضرورت نہیں۔ اس نے پاپائیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی تو پوپ نے کامیابی سے مقابلہ کیا۔

نکولو میکاوَلی (1469ء تا1527ء) نے دین وسیاست کے تعلق کو بیان کیا ہے۔ وہ مغرب کی لادین سیاست کا معمار ہے۔ اس کی نظر میں حضرت موسیٰؑ کی فضیلت مصر میں اسرائیلیوں کی غلامی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح سائرس کی عظمت فارسیوں پر میڈیا کے ظلم وستم کی وجہ سے ہے۔ اس نے ان مثالوں سے معاصر حالات میں امید کا دیا جلایا۔ وہ کہتا ہے کہ اٹلی اب جان بلب ہے۔ یہ دیس زخموں پر مرہم رکھنے والے کی آمد کا منتظر ہے۔[36]

سیکولر اور سیکولرزم لغوی اور اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے مغربی ماحول کی پیداوار ہے۔ یہ لاطینی لفظ "Seculum" سے ماخوذ ہے جس کے معنی دنیا ہیں۔ مغربی تہذیب میں لادینیت پروان چڑھی تو اس کا فائدہ ایک الوہی مغضوب قوم کے حصے میں آیا۔ انہوں نے یورپ میں امید باندھ رکھی تھی کہ ایک وقت آئے گا کہ کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ کون یہودی یا مسیحی ہے؟ تب یہودی بھی یورپ کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کی بھلائی میں حصہ ڈالیں گے۔ دوسرے الفاظ میں یہودی یورپی انسانیت کا حصہ بن جائیں گے۔[37]

حب الوطنی نے دین سے سیاست کی طرف قدم بڑھائے ہیں۔ آبائی وطن کے لئے لڑنے مرنے کے کلاسیکی تصورات بڑے جذباتی ہیں، چاہے وہ آسمانی ہوں یا دنیاوی گھر۔[38] آگسٹائن نے جنت کے وطن سے محبت کا درس دیا تھا اور حب الوطنی "Patriotism" مسیحی برادری کی روم سے وابستگی کا تصور ہوتا تھا۔ بارہویں صدی میں صلیبیوں نے آسمانی باپ کے وطن کی محبت کے لیے اپنی عالی نسب پسندی کو پس پشت ڈال دیا اور باہم اخوت کا اظہار کیا۔ تیرہویں صدی کے اوائل سے دانشوروں نے، رومی قانون کے زیر اثر، پٹریریا کو زمینی آبائی وطن کی حیثیت سے وفاداری پر بحث کی۔[39]

ما قبل جدیدیت میں علاقائی وبین الاقوامی سیاست

---

(36) Niccolò Machiavelli, The Prince, trans. and ed. Thomas G. Bergin, Arlington Heights, IL, 1947 (75).

(37) Churchill, T. O. Reflections on the Philosophy of the History of Mankind, University of Chicago Press, Chicago, 1968 (15).

(38) Kantorowicz, E. H., The King's Two Bodies: A Study in Medieval Political Theology (Princeton: Princeton University Press, (247).

(39) Post, G. Two Notes on Nationalism in the Middle Ages, Traditio, 1953 (281–320).

یورپ ایک بڑے کیمپ کی طرح میدان جنگ بنا رہا ہے۔ یہ کسی بیرونی دشمن کے خلاف نہیں بلکہ داخلی اقدامات تھے۔ ایک بھیانک جنگ جاگیر اور مزدوری کی تھی۔[40] علاقائی تنازعات کے علاوہ ایک جنگ اقوام کے مابین بھی برپا رہتی تھی۔ 1337ء سے 1453ء تک لڑی جانے والی جنگ بھی تنازعات کا ایک سلسلہ تھا۔ یہ لڑائی فرانس کی بادشاہی کے لیے فرانسیسی اور برطانوی بہی خواہوں نے برپا کی تھی۔ ہر فریق کے ساتھ اتحادی بھی جنگ کے لیے راغب ہوئے تھے۔[41]

جنگ کا تیسرا رخ سپین میں دکھائی دیتا ہے جو مسلم مسیحی اقتدار کے لیے رزم گاہ بنا ہوا تھا۔ عرب انخلاء کے بعد اسپین کے مفلس اور قلاش امراء کو حصول دولت کی لالچ نے آن لیا۔ انہیں مصروف ہونے کی کوئی مناسب صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔ اسپین میں آخری مسلم ریاست غرناطہ کا 1492ء میں سقوط ہوا۔ اس کی ایک دہائی بعد ہسپانوی فوجوں نے مداخلت سے اٹلی کو ہتھیا لیا۔ مسیحی سپین کے ملاحوں نے نئی دنیا کی تلاش شروع کی۔ یوں یورپ کو نئی و پرانی دنیا کا استحصال کرنے کی سوجھی۔

تنازعات کا ایک اور پہلو پاپائیت کے تاج کی چپقلش بھی تھا۔ 1309ء سے 1377ء تک روم کے بجائے سات پوپ کی زیر قیادت، ایوگنان پاپائیت کا فرانسیسی مرکز رہا۔ پوپ کی واپسی پر رومی پوپ کے انتخاب کا یقین دلایا گیا، لیکن 1378ء تا 1417ء پاپائی انتخاب کے نتائج نہ مانے گئے۔ ایسے تنازعات جگ ہنسائی کا موجب بنے۔ اس وجہ سے یہ دَور "Western Schism" کہلایا۔ تب بیک وقت تین پوپ تھے جو اپوزیشن والوں کو اینٹی پوپ کہتے تھے۔[42] یسوع مسیحؑ کی طرف سے اپنے حواری، سینٹ پیٹر کو اختیار سونپے گئے تھے۔ اس کی بدولت پوپ اس کا جانشین کہلاتا تھا اور اسے بالادستی حاصل تھی۔ چودھویں صدی میں دانشوروں نے جنرل کونسل کی بالادستی کے دلائل پیش کیے جنہیں 1460ء میں اختیار ملے۔

برطانیہ میں 1215ء میں قانون سازی کی گئی۔ متعدد نئے قوانین متعارف کرانے سے معاشرتی، معاشی اور ثقافتی تبدیلیاں آئیں۔ انہیں میگنا کارٹا کے نام سے شائع کیا گیا۔ اصولوں کے اس معیاری مجموعے کا اطلاق اندرونِ چرچ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ سولہویں صدی میں کونسل آف ٹرینٹ کی ترمیم کی گئی۔ اس کا پہلا قانون بتاتا ہے کہ وفاداروں کے لیے عالمگیر چرچ سے باہر نجات بالکل بھی نہیں ہے۔ ایک ہی کاہن اور قربانی ہے، یسوع مسیح کا جسم اور خون واقعتاً روٹی اور شراب کی شکل میں عشائے ربانی میں ہوتا ہے۔[43] 1415ء کی مجلسِ مقدس میں طے پایا کہ کوئی بھی عہدہ، مرتبہ اور وقار یہاں تک کہ اگر پوپ بھی مقدس ضوابط کی تعمیل نہ کرے، تو وہ مناسب سزا کا حقدار ہوگا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے۔[44]

ماقبل جدیدیت میں نشاۃ ثانیہ کی مغربی امنگ

1517ء میں ایک جرمن راہب اور وائٹنبرگ یونیورسٹی میں دینیات کے پروفیسر مارٹن لوتھر (م1546ء) نے اپنے پچانوے مقالے شائع کیے۔ اس نے یہ مقالے بشپ آف برینڈنبرگ کو بھیجے۔ ان میں رومن کیتھولک چرچ کی جانب سے گناہ سے بریت کی فروخت پر تنقید

(40) Elboim-Dror, Rachel. Yesterday's Tomorrow: A Selection from Zionist Utopias, Yad Ben Zvi, Jerusalem, 1993, (2, 55–73).

(41) Desmond Seward, *The Hundred Years War: The English in France, 1337–1453, Robinson, London, 2003 (18).*

(42) Joelle, Rollo-Koster, and Izbicki, Thomas M. (editors) A Companion to the Great Western Schism (1378–1417) Brill, Leiden, 2009 (17).

(43) Schroeder, H. J. Disciplinary Decrees of the General Councils: Text, Translation and Commentary, St. Louis, MO, 1937 (236).

(44) Loomis, R. L. ed. and trans., The Council of Constance, New York, 1961(229).

کی گئی۔ یہ قدم تحریک اصلاح کی ابتداء کہا جاتا ہے۔(45) اس کے مطابق انبیاء کرامؑ نے قدیم شریعت کی تبلیغ کی تھی۔ یہ شریعت عالمگیر نہ تھی بلکہ یہودی اپنے سیناگاگ میں اس کا پرچار کرتے تھے۔ اس کے برعکس انجیل تمام دنیا میں آزادانہ تبلیغ کے لیے آئی ہے۔(46) مارٹن لوتھر ہر مسیحی ایماندار کو پادری کے منصب پر فائز سمجھتا تھا۔ اس کے بقول مسیحؑ کی توسط سے براہ راست ہر شخص خدا تک رسائی رکھتا ہے۔ اسے اپنے اور خدا کے مابین کی ثالث انسان کی ضرورت نہیں۔(47) اگر کوئی لڑکی کھانے، پینے، سونے یا دیگر حاجات کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے تب ہی وہ مرد کے بغیر بھی زندگی گذار سکتی ہے۔(48)

جان کیلون (م1564ء) نے بتایا کہ پادری کا دفتر مسیحؑ کے ہاتھ میں ہے۔ باپ ابدی قانونِ مصالحت سے ہماری حمایت میں ہے۔(49) اس کی نظر میں ایسا شخص رسولوں کی نیابت کا حقدار نہیں ہو سکتا جو انجیل کی تبلیغ میں اپنی خدمات مسیحؑ کے نام نہ کردے۔(50) یہ دونوں مصلح رہنما اس دور میں تھے کہ جب لوگ چرچ کو مخصوص رقم اداء کرکے بشمول گناہوں کی معافی کے پروانے حاصل کرسکتے ہیں۔(51) مصلحین کلام الٰہی کی تلاوت اور سمجھ پادریوں اور راہبوں کی طرح، تمام لوگوں سے چاہتے تھے۔(52) لوتھر نے کلیسا کے اقتدار کے خاتمے کی جنگ میں دنیوی اور سیاسی نظام سے اغماض برتا۔

اہل مغرب کے بقول بائبل سامی حبر نژاد یہودیوں کی کہانی ہے۔ مینار بابل کی تعمیر کے وقت حبر نے نمرود کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ تب سے اس کی اولاد نے اپنی سامی السنہ فراموش نہ کیں۔ جلد ہی نمرود کی حزب اقتدار بنی حام ہزیمت کا شکار ہوگئی۔ انہوں نے مشرق بعید، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کے دور دراز جزائر کا رخ کیا۔ وہ اقوام اپنی اصل زبان فراموش کر بیٹھیں۔(53) بنی یافث سماجی اصول، اخلاقی اقدار، رسوم ورواج، دینی وسیاسی نظام اور چند یورپی مخصوص اثرات کے ورثہ کی حامل مغربی تہذیب وثقافت کے بانی ہیں۔ انہیں اپنی یورپی اور ہندی زبان کا پتہ ہے۔ ماقبل جدیدیت میں تحریک استشراق اور علمی وعالمی السنہ سے رغبت نشاۃ ثانیہ کی امنگ کی گواہی دیتی ہے۔

ماقبل جدیدیت میں مغربی خاندان

قدیم یونان اور روم میں مرد اور عورت کا ازدواجی بندھن ذاتی مسئلہ تھا۔ اس کے لیے سرکاری منظوری کی ضرورت نہ تھی۔ تب مرد عورت کو قتل کردیتے تھے اور بدکرداری پر طلاق دے دیتے تھے۔ شادی کے لیے مرد کی عمر تیس جبکہ عورت تیرہ سال کی ہوتی تھی۔ پہلے شادی کرنا لازمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ کم شرح پیدائش پر آگسٹس نے مجرد لوگوں پر سختی کی تھی۔ ایک بیوی کا تصور ہی تھا اور ہم جنس پرستی روا نہ تھی۔

---

(45) Thorsten Prill, Luther, Calvin and the Mission of the Church, German National Library, Norderstedt, 2017 (15).

(46) Martin Luther, Sermons for Pentecost, Translated by J.N Lenker, The Luther Press, Minneapolis, U.S.A. 1909, Vol 2 (71).

(47) Yarnell III, Royal priesthood in the English reformation, Oxford University Press, Oxford, 2013 (2).

(48) Plass, E. M. ed., What Luther Says, St. Louis, MO, 1959 (2/888).

(49) John Calvin (1509-1564), Institutes of the Christian religion book II, Translated by H. Beveridge. Grand Rapids: Eerdmans, 1993 (431).

(50) John Calvin, Commentary on Matthew, Mark, Luke, Christian Classics Ethereal Library, Grand Rapids, Michigan, 1909 (3/316).

(51) Lindsay, T.The Reformation, Banner of Truth, Edinburgh, 2006(47).

(52) Jongeneel, Jab, The Protestant missionary movement up to 1789, in Missiology: an ecumenical introduction. FJ Verstraelen (gen.ed.), Grand Rapids: Eerdmans, 1995 (223).

(53) Haynes, Stephen R. Noah's Curse: The Biblical Justification of American Slavery, Oxford University Press, New York, 2002 (7).

قدیم برطانیہ کی روایت ملتی ہے کہ بھائیوں کے ایک گروپ نے بہنوں کے ایک گروپ سے شادی کی۔ دونوں گروپوں کے مابین جنسی اشتراکیت تھی۔[54] مغرب میں شادی اور طلاق کی متعدد اقسام تھیں۔ ان میں سے تین شکلیں یکساں طور پر درست تھیں۔ ان میں بغیر کسی تقریب کے صرف ایک سال کے لئے ایک ساتھ رہنے والے جوڑے تھے۔ ان کی علیحدگی بھی اتنی ہی غیر رسمی تھی۔ باقاعدہ قسم کی شادی گواہوں کے سامنے ایک تقریب سے شروع ہوتی تھی۔ یہ شادی ایک تقریب سے تحلیل ہو جاتی تھی۔ اعلیٰ طبقے میں بھرپور تقریب کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اس میں دس گواہوں اور ایک پجاری کے سامنے اقرار نامے سے شادی کی جاتی تھی۔ ان میں طلاق کی صورت میں ایک اور عظیم تقریب کی ضرورت ہوتی تھی۔

قدیم اسرائیل میں عورت کا مرتبہ کم تھا۔ وہ باپ یا میاں کی جائیداد سمجھی جاتی تھی۔ ہر شخص سے شادی کی توقع کی جاتی تھی۔ ایک آدمی کی کئی بیویاں اور لونڈیاں ہو سکتی تھیں۔ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی تھی۔ بیوی میں بدکرداری پائے جانے کے نتیجے میں طلاق کا پرچہ لکھ کر اسے گھر سے باہر بھیج دیا جاتا تھا۔ عورت طلاق نہیں دیتی تھی۔ اپنے بھائی کی بیوہ کو بیاہنے کی بعض اوقات ضرورت ہوتی تھی، جو بعد میں ممنوع قرار پائی۔[55]

معاشی حالات تبدیلیاں لائے تو دلہن کے باپ کو رقم دینے کا رجحان بھی بڑھا۔ مسیحیت کے عروج نے یورپی شادی کے قوانین اور رسم و رواج میں بتدریج گہری تبدیلی پیدا کی۔ شروع کے مسیحی بادشاہ کم و بیش رومی قانون سے مطمئن تھے۔ مختلف سیاسی اور مذہبی دباؤ کے تحت، انہوں نے باری باری طلاق کے ضوابط کو وسیع اور محدود کر دیا۔ شروع میں شادی اور طلاق نجی معاملات تھے۔ آنے والی صدیوں میں چرچ کے زیر انتظام شادی قانونی سمجھی گئی۔ نو مسیحی شمالی یورپ میں نسبتاً بربری رواج زیادہ تھے۔ وہاں عورت گھریلو غلام سے قدرے اونچا درجہ رکھتی تھی۔ ٹرینٹ کونسل کے قوانین رہبانیت کے حق میں ہیں۔ ان میں بیان ہے کہ کنوارے یا تارک رہنا عقلمندی ہے، اور ازدواجی تعلقات بنانے کو بہتر سمجھنا بے عقلی۔[56]

جرمن قانون میں شادی، دولہا اور دلہن کے والد میں ایک کاروباری معاملہ تھا۔ انگوٹھی دلہن کی فروخت کے بیانہ میں دی جاتی تھی۔ اس کی رخصتی کے وقت مکمل رقم اداء کی جاتی تھی۔ چرچ نے طلاق پر پابندی لگادی اور کئی شادیاں ممنوع کر دیں۔ ان میں سے ایک تھرڈ کزن سے قریب کے تعلق میں شادی کی ممانعت بھی تھی۔ بارہویں صدی میں چرچ کے اندر شادی ہونے لگی اور تیرہویں صدی میں پادری نکاح کرانے لگے۔

ما قبل جدیدیت میں مغربی سامیت دشمنی

مغرب میں سامیت دشمنی[57] کی لہریں بار بار اٹھتی رہی ہیں۔ یورپ کی آبادی 1000ء سے 1300ء میں تین گنا بڑھ گئی تھی۔ معیشت عروج پر تھی اور یورپ اناج کا سمندر بن گیا تھا۔ تب مہلک طاعون منگولیا سے چین کی طرف بڑھا جس نے اپنے منبع تک واپسی سے پہلے آبادیاں اجاڑ دیں۔ یہ وباء موجودہ پاکستان، مشرق وسطیٰ، اٹلی، شمالی یورپ اور روس سے ہو کر واپس گئی۔ اگلے تین سو سالوں میں مقامی

---

(54) The story of Civilization, Our Oriental Heritage by Will Durant (18).

(55) استثنا 24: 1،25: 5

(56) Schroeder, H. J. Canons and Decrees of the Council of Trent, St. Louis, MO, 1941 (181–82).

(57) سامیت دشمنی کا واویلا مچانے والے یورپی یہودی اشکنازی نسبت پسند کرتے ہیں، جس کی بنی اسرائیل کو ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔ اشکناز کی اولاد آرمینیا میں آباد ہوئی اور پھر جرمنی میں بنی جمر کے اپنوں سے وابستہ ہو گئی تھی۔ آشوریائی سامیوں کے ریکارڈ نے انہیں اسکوزا Askuza کے نام سے متعارف کرایا جو بعد میں ہیرودوٹس کے ہاں اسکیتھائی Skythai بن گیا۔ انہوں نے ساتویں صدی ق م کی ایک بغاوت میں منی Mannai سے اتحاد بنایا جو یرمیاہ (51: 27) میں مذکور ہے۔ (The Early History of Man, Part 1, (71)

وبائیں پھوٹتی رہیں۔ اہل مغرب میں تعصب انتہاء پر تھی۔ یہودیوں کا بدل کرنئے اسرائیلی بن جانے کا تاثر ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ طبی دستاویزات میں لکھا گیا تھا کہ یہودیوں کو ماہانہ خون آتا ہے[58] یہ خون کنوؤں میں ڈالنے سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ انتظامیہ اس آزمائش میں دوہری مصیبت سے بچنے کی تراکیب کرتی تھی۔ اس دور کا ایک منتظم دوسرے کو لکھتا ہے کہ طاعون کی سیاہ موت کے بارے میں افواہیں گردش کررہی ہیں۔ اس تناظر میں ہمارا ارادہ ہے کہ اپنے پیشروؤں کی طرح تدابیر کی جائیں۔ یہودیوں کے عقائد کے علی الرغم انہیں دفاع اور تحفظ دیا جائے، انہیں پریشانی سے بچایا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ بھی ایساہی کریں گے۔[59]

مشرقی یورپ اور روس کے یہودی خزر آباؤ اجداد کی اولاد مانے جاتے ہیں۔ خزر سلطنت کے باشندوں کی اکثریت نے تقریباً 740ء میں حیران کن طور پر یہودیت اختیار کرلی تھی۔ یہ حقیقت یوریشیائی وسطی تاریخ میں غیر متنازعہ اور بے مثال ہے۔ اس سلطنت کے حکمرانوں کے بازنطینی شہنشاہوں سے قریبی تعلقات تھے۔ یہ بات ان کی فوقیت اور اثر ورسوخ کی عکاسی کرتی ہے۔ کئی رومی شہنشاہوں کی ملکہ خزر شہزادیاں تھیں۔[60] خزروں کے بارے میں بازنطینی اور عربی اعداد وشمار تاریخ کا حصہ ہیں۔ اس کے باوجود خزر زبان کی ایک بھی سطر بچ نہیں سکی۔

ماقبل جدیدیت میں مغرب کی اسلام دشمنی

پوپ اربن دوم (م1099ء) نے 1095ء میں کلرمونٹ کونسل میں پرجوش تقریر کی۔ اس نے کہا کہ طویل عرصے سے ڈاکہ زنی کرنے والے اب نائٹ بنیں۔ وہ اپنے بھائی بندوں سے برسرپیکار نہ ہوں، بلکہ وحشیوں سے مناسب طریقے سے لڑیں۔[61] یہ متقی، پرجوش یا موقع پرست مہم جوؤں کے لیے ایک بہترین موقعہ تھا۔ اس کی حمایت میں پیٹر دی ہرمٹ (م1115ء) نامی پُرجوش پجاری اٹھا۔ اس نے الزام لگایا کہ سلجوقیوں نے مسیحیوں کو سرزمین مقدس کی یاترا سے روکا ہے۔ اس کی تحریک پر حالات کے مارے کسان قسطنطنیہ پہنچے۔ بازنطینی شہنشاہ نے انہیں ترکوں کے آگے ڈال دیا۔ 1096ء میں نائٹوں کی ایک فوج نکلی جس نے 1099ء میں یروشلم قبضہ کیااور خون کی ندیاں بہادیں۔

ایک طویل عرصے کے بعد صلاح الدین ایوبیؒ کی قیادت میں 1187ء میں مسلمانوں نے یروشلم دوبارہ حاصل کرلیا۔ اس کی برطانوی بادشاہ رچرڈ شیر دل (م1199ء) سے صلح ہوئی۔ معاہدے کی خلاف ورزیاں اب بھی جاری رہیں۔ صلاح الدینؒ کے بعد بڑے پیمانے پر پانچ صلیبی جنگوں کی مہمیں برپا کی گئیں جو ناکام ثابت ہوئیں۔ 1204ء میں نائٹوں نے مسیحی قسطنطنیہ کو لوٹا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ جنگجوؤں کا مقصد مزار اقدس کے تحفظ کے بجائے محض لوٹ مار تھا۔ شہنشاہ کی ہمشیرہ انا کومینا (م1153ء) پہلی صلیبی جنگ کی شروعات بیان کرتی ہے۔ اس کے مطابق پیٹر دی ہرمیٹ نے ایک ہوشیار ترکیب سے کام لیا۔ اس نے تمام لاطینی ممالک میں تبلیغ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی اپنے مقصد میں کامیابی پر حیرت ہے۔ اس نے یروشلم پر قبضہ کرنے کی امید جگادی تھی۔[62]

ارضِ مقدس کے صلیبی دور میں اسامہ نامی تاجر ٹیمپلرز سے مانوس ہوگیا تھا۔ وہ قبۃ الصخرۃ کی طرف پیٹھ کرکے قبلہ رونماز میں تھا کہ ایک صلیبی نے اس کا رخ پھیر دیا۔ اس کے واقف کار ٹیمپلر دوڑے آئے اور صلیبی کو باہر پھینک دیا۔ انہوں نے تاجر سے معذرت چاہی کہ

---

(58) Johnson, W.The Myth of Jewish Male Menses, Journal of Medieval History 24/3 2013 (273–95).
(59) Rosemary Horrox, ed. and trans. The Black Death, Manchester, 1994 (16–21, 219–20).
(60)Dunlop, D. M.The History of the Jewish Khazars, Princeton University Press, New Jersey, 1967 (37).
(61) Allen,S. J. & Emilie Amt, eds., The Crusades: A Reader, Peterborough, Ont., Canada: 2003 (39).
(62)Sewter, E. R. A. trans. Excerpted from Anna Comnena, TheAlexiad, New York, 1969 (308).

نووارد فرانک سرزمین سے ہے۔ وہاں کبھی ایسے عبادت نہیں کی جاتی۔[63] صلیبی جنگجوؤں نے سنی سنائی کہانیوں کو حقیقت سمجھ لیا تھا۔ ان کا عقیدہ بن گیا تھا کہ مسلمان وحشی اور بت پرست ہیں۔ ان کے قبضے سے سرزمین مقدس کو بزورِ بازو واگذار کرانا ازبس ضروری ہے۔[64]

مغرب پے در پے ہزیمت کا شکار ہوا۔ اس نے دو سو سال میں آٹھ صلیبی جنگیں لڑی تھیں۔ وہ یہ سلسلہ ترک کرنے پر 1210ء میں مجبور ہوا۔[65] یورپی نائٹوں کے مقاصد دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ یورپی تہذیب کے لیے ان مہموں سے اچھے نتائج حاصل ہوئے۔ انہوں نے کاشتکاری اور کاریگری کے نئے انداز سے آگاہی پائی۔ بازنطینی شہنشاہ کا فاطمی شیعہ اور بغداد کے سنی عباسیوں سے اتحاد تھا۔ سنی سلاجقہ کے خلاف اس اتحاد کو صلیبی سمجھ نہ پائے۔ انہیں لگا کہ بازنطینی صلیبی جنگ کو ناکام بنا رہے ہیں یا مسلمانوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ گویا بازنطینی سلطنت بیت المقدس کی کامیاب بازیابی میں خود ایک رکاوٹ ہے۔ بازنطینی شہنشاہ کو یروشلم کی مہم میں واقعی کوئی زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے صلیبیوں کو اپنے علاقے کی بازیابی کا وعدہ یاد دلایا۔ وہ انہیں اس لیے بھی خطرہ سمجھتا تھا کہ یہ مشن شہریوں کی پالیسیوں سے تشکیل پایا تھا۔ اسے اپنے خلاف عوامی خروج کا ڈر تھا۔

ترکوں نے بازنطینی شہنشاہیت کو مسلسل کمزور کیا، حتیٰ کہ 1453ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے 1592ء میں ویانا کا پہلا محاصرہ کیا۔ انہوں نے ماسوائے روم دنیا کے ہر قدیم اور مشہور شہر کو تاراج کیا۔ 1492ء کے سقوط غرناطہ سے جزیرہ نما آئبیریا مسیحیوں کے ہاتھ آگیا۔ یہ ناکامی مسلمانوں کی طویل ہزیمت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ابتدائے اسلام سے ویانا کے 1683ء کے دوسرے محاصرے تک یورپ مسلمانوں کے خطرے سے دوچار رہا۔ وہ خوف، دوری اور تعصب کا شکار رہا۔ اب بلقان کی جانب روس کی پیشقدمی شروع ہوئی۔ ترکی پہلی جنگ عظیم سے پہلے مسیحی دنیا کے لیے چابک پکارا جاتا تھا۔ اب وہ یورپ کا مرد بیمار کہا جانے لگا۔[66] عثمانی وسیع سلطنت مغرب کے لیے ایک ہوا بنی رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ عثمانی فوج کی جانب سے مسیحی نوآموز پکڑ کرینی چری میں شامل کرنا تھی۔ 1463ء میں آٹھ سال سلطان کے لئے خدمات سرانجام دینے والا ایک نوجوان ایک قلعے کا دفاع کر رہا تھا۔ اس پر ہنگریوں نے قبضہ کر لیا۔ اس نے یادداشت میں اپنے تجربات کو مسیحی سامعین کے لئے ریکارڈ کیا تھا۔[67]

ماقبل جدیدیت میں علم دوستی اور انسان دوستی کی ہم آہنگی

خانقاہیں اور گرجاگھر یورپ میں اولین درسگاہیں تھیں۔ ان میں 800ء کے لگ بھگ شارلیمان کے حکم کے مطابق چند سکول بنائے گئے۔ ان میں پرائمری تعلیم کو اہم مشن گردانا گیا۔ گیارہویں صدی کے آخر میں معاشی بحالی ہوئی تو تعلیمی مواقع وسیع پیمانے پر بڑھے۔ 1179ء میں پوپ الیگزینڈر سوم (م 1181ء) نے بڑی حکمت کے تحت حکم دیا کہ تمام گرجاگھر ایک سکول ماسٹر مقرر کریں۔ وہ امیر یا غریب تمام آنے والے بچوں کو بغیر فیس پڑھائے۔ اس سے چرچ کی بڑھتی ہوئی ضرورت، بیوروکریسی کی فراہمی، تربیت یافتہ علما اور منتظمین کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

---

(63)UsamaibnMunqidh, The Book of Contemplation: Islam and the Crusades, trans: Paul M. Cobb, New York 2008 (147).

(64) ندوی، ابوالحسن علی، مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، مجلس نشریات اسلام، کراچی، س ن (14)۔

(65) عبدالرؤف، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، فیروز سنز، لاہور، 1995 (126)۔

(66)Eposito, John L. Islamic Threat: Myth or Reality, Oxford University Press, NY, 1992(44).

(67)Konstantin Mihailovic, Memoirs of a Janissary, trans: Benjamin Stolz, Ann Arbor, MI, (157).

گرجاگھروں میں پادریوں کو عبادت کرنے کرانے کی تربیت کا اہتمام ہوتا تھا۔ جلد ہی نصاب وسیع کر دیا گیا کیونکہ کلیسا اور حکومت کے امور کے لیے تربیت یافتہ مردوں کی طلب میں زیادہ مہارت درکار تھی۔ تقریباً1200ء تک شہری سکولوں میں زیادہ تر طلباء پادری بننے کی تربیت پاتے تھے۔ انہیں پادریوں اور بشپوں کے برخلاف مجرد رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ تیرہویں صدی میں دولت مند گھرانوں کے بچے مستقبل کے اسٹیٹ منیجر اور بیوپاری تھے۔ انہیں کیریئر میں کامیابی کے لیے لاطینی خواندگی کی ضرورت تھی۔ ان پیشہ ور طلبہ کے لئے کلیسا کے کنٹرول سے آزاد متبادل سکول قائم کیے گئے۔ اگرچہ باضابطہ تعلیم صرف مردوں تک محدود تھی لیکن بہت سی خواتین اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔[68]

تیرہویں اور چودھویں صدی میں لاطینی دنیا میں تعلیمی ادارے کام کرنے لگے۔ نئی جامعات کے طرزِ اہتمام سے مختلف خود مختار اداروں کے مابین جلد تنازعہ ظاہر ہونا یقینی ہو گیا۔[69] چودھویں صدی کی یونیورسٹیوں میں آرٹس کی فیکلٹی خود مختاری سے ڈگری جاری کرتی تھی۔ اسے الٰہیات کی حریف فیکلٹیز کی مداخلت ناپسند تھی۔ آرٹس میں ماسٹر دوطرفہ عوامی تنازعات اور متنازعہ سوالات کا دفاع کرتے تھے۔[70] آزادی دیئے جانے کی وجہ سے ممتنع الوجود اور ممکن الوجود کی بحث کے مقالوں کی سنسنی پھیلی لیکن کبھی مذمت نہ کی گئی۔[71] طلباء جامعات کے اساتذہ کی تنخواہوں کے لیے فیس کی ادائیگی کرتے تھے۔ آکسفورڈ اور کیمبرج سمیت شمالی یورپ کی یونیورسٹیوں میں اساتذہ مہتمم تھے۔ وہ ٹیوشن فیس اور ڈسپلن کے جرمانے مقرر کرتے تھے۔ کتابیں مہنگی ہونے کی وجہ سے اساتذہ لیکچر دیتے تھے۔ استاد اپنے طلباء کے سامنے بلند آواز میں مستند تحقیقی کام پڑھ کر اس پر تبصرہ کرتا تھا۔ طلباء نوٹ کرتے جاتے تھے۔ مسیحی عقیدے سے مطابقت یونانی اور عربی زبان سیکھنے میں کام نہیں آسکتی تھی، اس لیے جدلیاتی طریقوں سے فائدہ اٹھانا پڑتا تھا۔ آخر کار لبرل آرٹس، الٰہیات، قانون اور فارمیسی کی چار فیکلٹیز بنائی گئیں۔ تیرہویں صدی کے آخر تک شمالی جامعات نے غریب طلبہ کے لئے نیم خود مختار کالج بنائے۔

لاطینی گرائمر اور بیانیے میں جدید کام، منطقی اصولوں پر عبور سمیت بنیادی لبرل آرٹس کی پڑھائی چار سال کی تھی۔ اس کے امتحانات میں کامیابی سے بیچلر آف آرٹس کی ابتدائی ڈگری حاصل ہوتی تھی۔ پیشہ ورانہ زندگی میں اپنا مقام یقینی بنانے کے لیے قانون، میڈیسن یا الٰہیات میں اعلیٰ درجے کی ڈگری، ایم اے تھی۔ اس کے حصول میں اضافی سال کی ضرورت تھی۔ مزید قدیم اور معیاری تحریروں کو پڑھنے اور اس پر تبصرہ کرنے سے فلسفہ کے ڈاکٹر (پی ایچ ڈی) کی ڈگری ملتی تھی۔[72]

خلاصۃ البحث

مغربی مفکرین اپنی تہذیب کو انسانی ذہن کے ارتقاء کے لحاظ سے تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ اسی زمانی تقسیم سے ان کی خصوصیات کا پتہ چلتا ہے۔ مضمون ہٰذا میں ماقبل جدیدیت میں مغربی فکر و تہذیب کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جدیدیت سے پہلے مغربی سیاسی و سماجی اداروں، خاندانی نظام اور فنون و آداب کس حالت پر تھے؟ اس میں آنے والی تبدیلی کے آثار کی نشاندہی بھی کی گئی

(68)Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, (298).
(69)Thijssen, J.M.M.H. Censure and Heresy at the University of Paris 1200-1400, University of Pennsylvania Press,Philadelphia, 2011 (114).
(70)Courtenay, William J. Parisian Scholars in the Early Fourteenth Century: ASocial Portrait,Cambridge University Press, Cambridge, 1999 (124).
(71)William J. Courtenay, Inquiry and Inquisition: Academic Freedom in MedievalUniversities, 1989(170).
(72)Western Civilizations Their History & Their Culture by Jon Durbin, 2011, Vol 1(300).

ہے۔ نسلی لحاظ سے یورپی اقوام بنی یافث ہیں۔ انہوں نے حضرت نوحؑ کے فرمان کے مطابق یورپ آباد کیا تھا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو مشرق وسطیٰ میں عالمی امامت کی بشارت دی جا رہی تھی تو یورپ میں بت پرستی کا راج تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی ابتدائی وراثت سے یہودیت کی تشکیل ہوئی، جن کی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰؑ مبعوث فرمائے گئے۔ یہود نے آپؑ کو مصلوب کرنے کی کوشش کی تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا۔

یہود کی ارضِ مقدس سے جلاوطنی کے بعد مسیحیت نے یورپ کا رخ کیا۔ اس کی عام پذیرائی کی وجہ سے ابراہیمیؑ امامت کا دائرہ بنی یافث تک وسیع ہوا۔ نومسیحی مغرب میں تربیت و اصلاح دینی پیشوائیت کے ہاتھ میں تھی۔ قرون وسطیٰ میں پاپائیت کے اقتدار کی وجہ سے بالآخر دین و سیاست کے تعلق پر سوال اٹھنا شروع ہوئے۔ اس سوال کو سائنسی رغبت کی لہروں نے مزید ابھارا۔ جب علم دوستی پاپائیت کے ہاتھوں سے نکل کر انسان دوستوں کے ہاتھ میں آئی تو، نشاۃ ثانیہ کی مغربی امنگ کے ساتھ ساتھ دین بیزاری کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا۔ مسیحی دینداری نے علاقائی و بین الاقوامی سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ ان کے دینی تعصب کی وجہ سے مغربی لوگوں میں سامیت دشمنی اور اسلام دشمنی فطرت ثانیہ بن گئی۔

ماقبل جدیدیت میں اسلام اور مغرب کے تہذیبی روابط کے عوامل تلاش کیے جائیں تو ذہن پہلے مسیحی میلینیم کی صلیبی جنگوں کی طرف جاتا ہے۔ پاپائیت کی جانب سے نزولِ مسیحؑ کی امید خوب ابھاری گئی۔ صلیبی جنگوں، مشرق و مغرب کی باہمی تجارت اور مسیحی یاتریوں کی مشرق میں آمد کی وجہ سے مغربی تہذیب ترقی کرتی چلی گئی، حتیٰ کہ اب وہ دنیا کی غالب تہذیب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں مغربی تہذیب کی نقالی عروج پر ہے اور وہ مغربی اقدار کے پابند ہوتے جا رہے ہیں۔ دینی طبقات پسماندہ ہیں اور مغرب کے پیروکار یہاں بھی جدیدیت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ وہ مغرب کے تجربے کے مطابق ماقبل جدیدیت کے دور سے آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔